

کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا اور اگر آنکھیں نہیں تو رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہو شمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھنے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مسکرا نے لگا۔

”کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔“ اس نے جمالی لیتے ہوئے کہا۔

”کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”ایک ہی بات ہے۔“ اس نے فس کر کہا اور پھر چونک کر انہوں بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے منجل کر اپنا جوتا ٹالا ش کرنے لگا۔

جب وہ با تھر روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”فریدی صاحب آداب عرض ہے۔“ اس نے مسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچاکٹ مٹلے پر ضرور یوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پر سکون رہا۔ سکھنے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچاکٹ پہچان لئے جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود بُری طرح یوکھلا گیا۔

”آداب عرض۔“ فریدی نے لیٹھے ہی لیٹھے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات بھی نہ ہو۔

سکھ شاید ابھیں میں پڑ گیا تھا کہ لکبہ کیا کہے۔ ملاں کی حالت بالکل اس بچے جیسی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچاکٹ کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ یوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ کھٹی کھٹی آواز میں کھانے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کی پارٹیٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

”فریدی صاحب کہنے کیسا پہچانا۔“ وہ دوبارہ جھپٹی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”اوی!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ متوہ دخل در محتقولات کی ضرورت نہیں بھی۔“

”آپ بھلا مجھے کیا جائیں۔“ وہ گھبرا کر ایک قدم پہنچے ہٹتے ہوئے بولا۔

”کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی داڑھی اور کیس دونوں نعلیٰ ہیں۔“ فریدی نے لیٹھے ہی لیٹھے چھٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چپ چاپ اپنی بر تھک کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹھا چھٹ کی طرف دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھراٹے آرہے تھے اور پچھا چل رہا تھا لیکن پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی نسخی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سرہانے رکھے ہوئے چھوٹے سے اپنی سے روں اور نکالا اور فریدی کی طرف تاں کر کہنے لگا۔

”بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرو۔“

”عجیب حق آدمی ہو۔“ فریدی نے بس کراس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ خواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔“

”بکوہت!“ سکھ گرج کر بولا۔

”دیکھو بھی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں جو جو نہ اٹھتا پڑے۔“ فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ ”تم آخر چاہے کیا ہو۔ سب سے پہلے تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ مجرم سردار خاں کہتے ہیں۔ لیکن میں نے بُرانہ مانا۔ پھر تم نے میرا مسکلہ اڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پچھان گیا۔ لیکن میں پھر بھی ہال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اس طرح سے کہتے ہو کہ کیا پچھانا۔ میں تو تمہارے خواہ خواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری داڑھی اور کیس نعلیٰ ہیں تو تم نے روں اور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ لگا کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتھیں لوگ ایسے آدمیوں کو تھا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اونچے خادمان سے تعلق رکھتے ہو۔ مگر ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر روں اور نکال لو اور پھر چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی۔ تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر قابو رکھنا سکھو اور

ہاں ریوالور کا رب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جگہ میں ہزاروں کو موت کے گھاث اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کار ریوالور لا خول ولا قوہ مجھے۔ میجر سردار خال کہتے ہیں۔ سردار جی۔“
سکھ کار ریوالور والا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ ججک گیا۔ اس کا چہہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دریٹک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

”معاف کیجئے گا۔ میجر صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردا۔ آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ میں دراصل ہی آئی ڈی کا انپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بدمعاش کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جتاب میجر صاحب۔“

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”اکثر دھوکا ہوئی جاتا ہے۔ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟“

”کان پور!“

”چلنے سفر مزے میں کئے گا۔ میں بھی کانپور جا رہا ہوں۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“

”آپ آج کل کہاں تھیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”الله آباد میں!“

”تب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔

”کیوں مزے میں کیوں؟“ سکھ نے حیرت سے کہا۔

”خوب امر و دکھاتے ہوں گے۔“ فریدی نے کہہ کر ایک بھدا ساق تھہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

”آپ سگار پیتے ہیں۔“ فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں شکر پیتے۔“

”تو پھر کچھ باقیں کیجئے تاکہ راستہ کئے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ ریوالور دیکھتے ہی روپ کر ہو گئی۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔

”بھی مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ سکھ نے پس کر دانت نکال دیئے۔

”کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سکھ بولا۔“

”دیکھئے کب تک وہ بدمعاش ہاتھ آتا ہے۔“

”کون بدمعاش؟“ فریدی چونک کر بولا۔

”وہ فریدی!“ سکھ نے کہا۔ ”جس کے دھوکے میں خواہ توہا آپ کو پریشان کیا۔“

”دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑ کے گا۔“

فریدی نے پس کر کہا۔ ”ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“

”اُرے صاحب معمولی جرم نہیں۔“ سکھ بولا۔ ”آپ نے لا آباد کے کینیڈا بک کی چوری کا حال ضرور سنا ہوگا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکیدار کو بھی جان سے مار دالا۔“

”تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا ”اور آپ اسے تھا گرفتار کرنے نکلے ہیں۔“

”بھی نہیں ہم کئی ہیں۔“

”اچھا!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔“ سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔

”اچھا بھی میجر صاحب اب تو نیندا آرہی ہے نسکارا!“ سکھ نے جماں لیتے ہوئے کہا۔

”اچھا صاحب شب بخیر۔“ فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی سے باہر چھکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بجے رہے ہوں گے سکھ خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ اخفا اور دھنٹا سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اشخنے کی کوشش کی تھیں وہ فریدی کی

گرفت میں میری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اس اچانک محلے سے پیدا شدہ بدحواسی اور کچھ بوکھلا ہے۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدو جهد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اس کی تائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیئے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکرا تارہ۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھر پھر اہٹ سے کافی محظوظ ہوا کرتا تھا۔

”اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے جسک کر سکھ کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑ آئے اور اس کی منڈھی ہوئی شفاف ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی گپڑی اتار دی۔ ”آخاہ! ڈاکٹر ٹھیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ وہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے چارہ رہا تھا۔

”شور مرت چاؤ ٹھیش!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”آج یعنی تو تم میری گرفت میں آئے ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نہ لٹکتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرام سے بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نہ لٹکتے تھے۔“

”دیکھا جائے گا..... اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔“ ٹھیش تیزی سے بولا۔

”بھیں بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”کم از کم چھ میٹنے کے لئے تو ضرور جاؤ گے۔“

”تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“ ڈاکٹر ٹھیش نے جیخ کر کہا۔ ”اور تم جھیں کھول یعنی دینے پر کیا اچھا ہوگا۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”تم جھیں کھول دوں تاکہ تم اپنے بغیر لائنس کے روپ اور کاشٹانہ بنا دو۔ کیوں ہے ناچیں بات۔“

”دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں جھیں تھیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔“

”میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔“

”تو تم نہیں کھولو گے۔“

”ہرگز نہیں!“

”اچھا دیکھ لوں گا۔“

”جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں چھٹانا پڑے بہت ممکن ہے کہ بلا اور رندھیر بھی اپنا زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوادیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
بلا اور رندھیر کا نام سن کر ڈاکٹر تھیش کے منہ پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔ وہ فریدی کو حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

”کیوں چپ ہو گئے۔“ فریدی نے اپنے شانے اچھاتے ہوئے کہا۔ ”کیا غلط کہہ رہا ہوں؟ حق مجھ بیانا ڈاکٹر آخراں بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟“

”اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو!“ ڈاکٹر تھیش نے تیزی سے کہا۔

”تمہاری مرضی..... میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس وقت سے ڈرو جب سول پولیس کے رکھروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری باتیں انکوواں شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتاؤ گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل جائے گی..... ورنہ!“

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر تھیش کے چہرے کے اُتار چڑھا دیا کہ بخور دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

”شام والی لاش بلاعی کی تھی نا؟“

”ہاں آں کیا مطلب!“ ڈاکٹر تھیش چونک کر سمجھلتے ہوئے بولا۔ ”تم نہ جانے کیا اُٹی سیدھی ہاںک رہے ہو۔“

”خیر خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے یہ سب کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سکی۔ اچھا اتنا تو بتائی دو کہ جب تم مجھے پیچان گئے تھے تو خواہ توہا مجھے

چھپنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

ڈاکٹر جیش مکرانے لگا۔ دھڑا اس کی آنکھیں چکنے لگیں، اس نے فس کر کہا۔

”واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رسان ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھی آپ کو وہ بیجے رات ایشن کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوچتا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیں بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے ایشنوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اتفاقاً مجھے اسی ذہبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔“ ڈاکٹر جیش ہنسنے لگا۔

”بہت اچھے!“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”میری چھپری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔“

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چچے میئنے کے بچے کی ”غوغائی“ سے زیادہ وقت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو ہتاوہ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آگیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بیجے اور دوسرا تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔“

ڈاکٹر جیش خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پیشانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ خجالت اور کچھ جھنجڑاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مٹھکدہ خیز بنادیا تھا۔

”خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہئے کہ تم نے مجھے خواہ خواہ کیوں چھپرا تھا۔“ فریدی نے

سگار لگاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔“ ڈاکٹر جیش نے ناخن گوار لہجہ میں کہا۔

”اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار سبھی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔“ فریدی نے

مکرا کر کہا۔

”تم عجیب گدھے کے بچے ہو۔“ ڈاکٹر جیش نے چیخ کر کہا۔

”ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا پچھے ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب

ہونے کی وجہ سے گدھے کا پچھے ہوں..... یا..... پھر.....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تمہارا سر!“ ڈاکٹر زور سے چینا۔

”ہاں ہاں میرا سرا!“ فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سرستولتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا میرے سر کو..... موجود تو ہے۔“

”چپ رہو الو کے پٹھے!“ ڈاکٹر حمیش زج ہو کر زور سے چینا۔

”اچھا چپ ہو گیا الو کا پٹھا!“ فریدی نے اسی انداز میں جھیخ کر کہا اور چپت کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر حمیش نے جھنجلاہٹ میں اپنا سردیوار سے ٹکرایا۔

”اڑے اڑے یہ کیا کر رہے ہو بھی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواو گے کیا؟ اگر دیوار ٹوٹ گئی تو!“ فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر حمیش نے جھنجلاہٹ میں اس کے منہ پر ٹھوک دیا۔

”یہ اچھی علامت ہے۔“ فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”خدا کے لئے میرا چیچھا چھوڑ دو۔“ حمیش نے ٹک آ کر کہا۔

”لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا چیچھا نہ چھوڑوں۔“

”اویو بروٹ!“ ڈاکٹر حمیش اس بُری طرح چینا کر اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بے تحاش ہنسنے لگا۔

فریدی نے قبچہ لگایا۔

”خوب دل کھول کر پس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ حمیش نے غصہ سے ہانتے ہوئے کہا۔

”کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات بے وجہ بھی نہیں آنے لگتی ہے۔“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔

ڈاکٹر حمیش کامنہ پھرا تر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر جج بیانا وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اگلی امید نہیں..... تم سبھرے گھماڑا آدمی۔“

”تم مجھے کیا سمجھے ہو۔“ ڈاکٹر حمیش نے خریے لبھے میں کہا لیکن پھر فوراً ہی سنچل کر بولا۔

"تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد..... گھامڑ تم خود ہو گے۔"

"خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔"

ڈاکٹر حمیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک جیختے رہنے سے وہ عر حال سا ہو گیا تھا۔ ایک ہارے ہوئے نامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پر ڈال دیے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ فریدی نے گھری دیکھی۔ گاڑی پندرہ متھ کے بعد کانپور جیختے والی تھی۔

تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر حمیش بھی تھا جس کی عمر ان کے لئے کانپور کے دو کاشیبل ساتھ آئے تھے۔ حید فریدی کو لینے کے لئے اٹھن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر حمیش کو اس حال میں دیکھ کر متجب تھا۔

"یہ حضرت کہاں؟" اس نے فریدی سے کہا۔ "میں یہاں خواہ توواہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کہاں لا پڑے ہو گئے۔"

"بھی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر حمیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اٹھن سے نکل کر باہر آئے۔ حید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر حمیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک قوبت پھی کر کاشیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر حمیش جیج کر زمین پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حید اس طرف جھپٹے جدم ر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بڑی بے ترتیب سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسی

بھلکڈ زمیں جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔ فریدی بُری طرح جلا یا ہوا تھا۔

”بالکل بیکار ہے حید..... ان کم بخنوں کی بدحی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نکل گیا۔“

اس نے رک کر پیشانی سے پینٹہ پوچھتے ہوئے کہا۔

حید نے سرائیمگی کے عالم میں کہا۔

”یہ آخر ہوا کیا؟“

”بہت بُرا ہوا اب از سرنو کام کرنا پڑے گا۔ ساری محنت بر باد ہو گئی۔“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر ہمیشہ کی لاش کو تو ای لائی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ فریدی سے بیان لیا گیا۔ اس نے ہمیشہ کی گرفتاری سے لے کر موت تک کے سارے واقعات بتائے۔ لیکن اس نے اپنے اس شبہ کا اٹھا رہنہ کیا کہ ڈاکٹر ہمیشہ کا تعلق رعیت وائل کیس سے بھی ہے۔ اخبارات نے اس نے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کیں۔ حید پورے حالات جانتے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ کو تو ای سے فرصت پا کر جب دونوں گمراہے تو حید سے صبر نہ ہوا۔ وہ پھر پوچھ بیٹھا۔ فریدی سفر کے سارے واقعات بتانے کے بعد بولا۔

”ہاں بھی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش بملائی کی تھی تا۔“

”جی ہاں بملائی کی!“ حید نے کہا۔ ”اور سروچ حالات میں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فریدی نے چونک کر کہا۔

”آپ کے جانے کے بعد میں سروچ کو کو تو ای لایا۔ حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ بڑی حد تک گبڑا گیا تھا لیکن سروچ نے اسے پچان لیا۔ اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔ دلیر سنگھ کی ضمانت ہو گئی۔ لیکن سروچ ابھی تک حوالات میں ہے۔“

”یہ بہت بُرا ہوا۔ ان گدھوں کو کبھی عتل نہ آئے گی۔ سارا بنا بنا کھیل بگاڑ دیا کم بخنوں نے۔ تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔“

”میں نے چیف انپکٹر سے کہہ کر رکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی دھیان

نہ دیا۔“

”خیر اور کوئی خبر؟“

”ڈاکٹر حمیش بھاں سے غائب ہی ہو گیا تھا۔ دبیر سکھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد مکان کی گمراہی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔“

”حمدہ تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جا رہے ہو۔“ فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں یہ کیسے سمجھی کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔ اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔ شروع ہی سے چھٹا آرہا ہوں کہ ایس کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی تم نے لئی حماقت کر ڈالی افسوس!“

”اب کیا بیتاوں ہو یعنی گئی غلطی۔“

”بس قصر ختم الکبیں کے۔“

”کانپور میں کیا رہا۔“ حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

”کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر حمیش ہی اس گروہ کا سراغز ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ خود اس نے کسی قسم کا بیان نہیں دیا۔ لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پہلا گالیا تھا کہ وہ اس گروہ سے تعلق ضرور رکھتا ہے۔ ایک بات صاف نہ ہو سکی کہ وہ اس وقت بھیں بدل کر کانپور کیوں جا رہا تھا۔ اگر اس کا مقصد رندھیر سکھ کے گھر کی علاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا کیوں تھا۔ چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔“

”ہاں واقعی یہ چیز عجیب و غریب۔“ حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”میں ایک نتیجے پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بولا کے گولی گئی وہ رندھیر کے موڑ سائکل کے کیریز پر بیٹھی تھی۔ رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جالاپور سے آرہا تھا اور اس نے دھرم پور کے جگہ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔ گولی لگتے ہی بولا اگر گئی تھی۔ اس کے گرنے کے بعد رندھیر ہاں پہنچ دیر کا بھی تھا۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ دیکھو یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی ٹالائی لیتے وقت ملا تھا۔“ فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمدی خاطر پڑھنے لگا۔

”رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں مجھے آ کر بچاؤ کسی طرح یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آ رہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کا انخبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

”بلا۔“

”لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیے لگایا۔“

”نہایت آسانی سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا اور بھکنا پڑتا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ خیر سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہو گا تو اس نے اس کے جواب میں بلا کو لکھا ہو گا کہ وہ اسے نکال لے جانے کے لئے آ رہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ انہوں نے بھی مناسب بھلا کو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بلا اور رندھیر دونوں کا خاتر کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کا انخبر نکل نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے موڑ سائکل حاصل کی اور بلا کو اس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بلا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں نے

گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بولا کے غائب ہو جانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔“

”لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلا کہ وہ یعنی رندھیر بولا کا مغتیر تھا۔ آخراں کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بولا کے فرار کی ذمہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی۔“ حمید نے کہا۔

”نہایت آسانی سے..... بولا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہذا اس کی روائی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو سبھی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے مغتیر ہیں۔“

”ہوں!“ حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”مگر موڑ سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موڑ سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ پولیس اور ادھر اندر ہرے میں سرمارتی پھرے۔ وہ تو دعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہو گئی..... ورنہ ہنوز روت اول ہوتا۔“

”اب آپ نے کیا سوچا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروچ کورہ کرا کے جالا پور پہنچانا ہے۔“

”ہے ہے..... عشقت اول درودل..... ابے دا!“ حمید نے بطرز تو ای جھوٹے ہوئے کہا۔

”کیا بکتے ہو!“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”ارے کیا پوچھتے ہیں حضور..... بس یہ سمجھو لجھے کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، روکش مہرومد و ائمہ، اعجت جیں، زہرہ جیں، پہنچائے شکریں، سرپا

انتخار، جلائے کھانی و بخار، انتخار کی گھڑیاں کبھی کتنی ہو گی اور کبھی رکھ دیتی ہو گی..... اے۔“
”بس بس بکواس بند..... ورنہ!“

”ورنہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت ٹھریے۔“ حید نے فس کر کہا۔

”تم ہو اچھے خاصے گدھ۔“ فریدی نے اکتا کر کھا اور آنکھیں بند کر کے آرام کری کی پشت سے ٹک گیا۔

خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروج سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا انتظام اس نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ وہ اسے دم دلا سودھتا ہوا جلاپور لے آیا۔ خاکر دلیر سنگھ سروج کی آمد کے متعلق سن کر آپ سے باہر ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اتر گیا۔ بھویں تن گھسیں اور چیخ کر بولا۔

”اب یہاں کیا کرنے آئی ہو خاندانی عزت ملا تو دی خاک میں۔“

”بھیا جی، آخر اس میں میرا کیا صور ہے۔“ سروج روٹی ہوئی بولی۔

”کیوں بلا بایا تھام نے بھلا کو۔ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رکھ گئی۔“
اندھے دلیر سنگھ نے چیخ کر کہا۔ ”اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں خاکر امر سنگھ کے خاندان کی بہو اور جیل میں جائے۔ تو بھی پر کاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مر گئی۔“

”خاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا صور ہے۔“ فریدی نے زم لجھ میں کہا۔

”آپ چپ رہئے جاتا۔ یہ میرے گھر میں معاملات ہیں۔“ دلیر سنگھ چیخ کر بولا۔

”خاکر صاحب مجھے شرمندگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں ہوتا

تو اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ ”فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

”تکلیف نہ اخالی پڑتی۔“ دلیر سنگھ جلا کر بولا۔ ”آپ کیا جاتے ہیں کہ خاندان کی عزت کیا چیز ہوتی ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا تو آپ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں کیوں سروچ اتنی جلدی اتنے جاں ثار پیدا کر لئے۔“ وہ طنزیہ بجھ میں بولا۔

سروچ بے اختیار رونے لگی۔

”خاکر صاحب ایسے بزرگ کو اسکی باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ فریدی نے ناخوٹوار بجھ میں کہا۔

”براؤ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور سروچ تم بھی۔۔۔ تمہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔“

سروچ نے دلیر کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

”اب اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی بھیاگی۔“ سروچ روٹی ہوئی بولی۔

”تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھ تھہاری لاش ہی نکلے گی۔“ دلیر سنگھ جیخ کر بولا۔

”خاکر صاحب آپ سروچ کو دھمکی دے رہے ہیں۔ لہذا اب پولیس کو انہیں اپنی حفاظت میں لینا پڑے گا۔“

”پولیس!“ دلیر سنگھ زہر خندہ کے ساتھ بولا۔ ”پولیس کی حفاظت میں تو یہ دور اتنی رہی ہے۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا!“

”کیا بک رہے ہو خاکر ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو۔“ فریدی نے تیزی سے کہا۔

”خاکر میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔“ سروچ یک بیک بیکر کر بولی۔ ”میں بھی راجپوتی ہوں۔“

”اچھا راجپوتی کی بچی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔ خبردار بھی اس گھر کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔ ”لیبر نگلے غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

”مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج، بہن۔“

”یعنی آپ نے کیا کیا ہے۔“ سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔“

”قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔“ سروج سکیاں لتی ہوئی بولی۔ ”اب میں کہاں

جاوں۔ پہاڑی سے جا کر کہوں گی کیا..... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کے تردود کی ضرورت نہیں

ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کسی کے لئے بار بنتا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔“

”کیا تم ایک بھائی کی انجام تحریر ادوگی۔ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کروں گا

کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی کی

طرح تمہاری حقائق کروں گا۔“

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رو نے کی وجہ سے سوچ آئی تھیں اس نے کار

کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

”یہ ڈاکٹر حیث کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔“ تھوڑی دری بعد سروج نے بھرا لی ہوئی آواز

میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ سروج کا رکی سیٹ کی پشت پر

لیک لگاتی ہوئی بولی۔

”تو کیا تم ڈاکٹر حیث کو اچھی طرح جانتی تھیں؟“

”جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔“

”کیا دلیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔“

”نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی منوت کے بعد بڑے خاکرے
ان کی گہری چھٹنے لگی۔“

”بولا سے وہ بے نکف تھے یا نہیں؟“

”قطعاً نہیں!“

”کبھی بولا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔“

”کبھی نہیں!“

”کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”اچھا تمہارے شوہر پر کاش بالو سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟“

”میرے شوہر ایک مشہور سائنس دال تھے۔ وہ آئے دن تھے نے تجربات کیا کرتے
تھے۔ ڈاکٹر جیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ بھی تھی۔“

”تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہو گا۔“

”انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلطے میں وہ کئی بار بہت سخت یہاں بھی
پڑے تھے۔“

”یہاں کیسے پڑے تھے۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”ایک بار تو بہت عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پر کاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی
گیس کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس
طرف جانکلی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر نہیں رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہنستے دیکھ کر
میں بھی یوں ہی ہنستے گی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برادر ہنستے
ہی جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابھی معلوم
ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

ہوش ہو کر گر گئے۔“

”اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔“

”میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھیں وہ ہمیشہ تالے رہے۔“

”اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔“

”مجی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آگئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹھیک تھیں اور ڈاکٹر سعید کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکروں کے علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔“

”تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔“

”وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش پابو نے ان سب کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ حصہ کہیں۔“

”ہوں!“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان چیزیں کے پنجوں والے جو توں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔“

”نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقتول رہتا ہے اور اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔“

”خیر!“ فریدی نے کھانتے ہوئے کہا۔ ”مگر بھی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑے ظالم

آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصے میں دیکھا ہے۔ ان کی نرم دلی سارے علاقے میں مشہور ہے۔ وہ بیگنگیوں تک کو جیٹا کہہ کر بخاطب کرتے ہیں۔ میری یادداشت میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہیں کہ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں شرم واہوتی جاری تھیں۔

یکاکی ان میں عجیب قسم کی وحشانہ چک پیدا ہو گئی۔

چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر خاکر دلپیر عالم کے دوستوں کوٹھا رہا تھا۔ ڈاکٹر سعیش کے گھر کی تلاشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتے کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس تقریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتا اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے بعض بے ٹکف احباب اسے خوبجہ سگ پرست کرنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی مختصر نہیں۔ اس کے شوق عجیب و غریب تھے۔ اسے گیائیات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوئی کا ایک کرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر سپرے کی طرح ان کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تحلیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیش اس کا مسحکہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اس تم کی عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔

کتوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے عی وہ دوسرے برآمدے کی طرف مڑا اسے سروج دکھائی دی جو گیائیات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔
”تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔“

”آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔“

”چندیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔“

”یکن یہ میرے لئے میرے پا تو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔“

”تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہوگا۔“

”نہیں ایسا تو نہیں..... ان میں سے بھرے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکلا نیں گیا۔“

”نہیں مکھلاتا پلاتا کون ہے۔“

”میں خودا!“ فریدی نے کہا۔ ”آؤ تمہیں تماشا دکھاؤ۔“

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ الماری کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک شخصوں اندراز میں سیٹی بجا لی۔ یک بیک مکھمکاروں کی آوازیں سنائیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج جیخ کر پہنچے ہٹ گئی۔

”ڈر نہیں یہ کچھوں سی بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔“

فریدی نے میز پر سے دودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر ٹوٹ پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پڑے پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرا برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر سروج پھر جیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”ڈر نہیں سروج بہن یہ سب میرے دوست ہیں۔“

”مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائیک روم میں آپ کا انتظار کروں گی۔“

سروج یہ کہہ کر باہر چل گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں چلے گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر تھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور کچھ مکھلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ سرجت حیدر تیز قدموں سے چابات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر رک گیا۔

”کہو بھجنی کیا خبر ہے۔“

خفاہ کی جگہ

”کوئی خاص خبر نہیں کوتاولی سے آ رہا ہوں۔ ابھی ابھی دلیر سنگھ کا نوکر آپ کے نام
ایک خط دے گیا ہے۔“

فریدی خط پڑھنے لگا۔

”فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے روئے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے فخر
آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف
کر دے۔ میں نے اس کی شان میں بہت عی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس
کے لئے میرا خمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آ جائے گی مجھے
سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

منجانب: ”خاکر دلیر سنگھ“

”تو ہوش آ گیا خاکر صاحب کو۔“ فریدی نے کہا۔

”اور یہ بہت بُرا ہوا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کیوں؟“

”میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا؟“

”آخر کیوں۔“ فریدی نے متوجہ انداز میں پوچھا۔

”اُرے تو کیا واقعی آپ!“ حمید ادھوری بات کر کے چپ ہو گیا۔

”عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے۔“

”کیا آپ مجھ سروج کو واپس بھیج دیں گے۔“

”تو اسیں تجھ کی کیا بات ہے۔“ فریدی نے ڈرائیک روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”سنئے تو کہی!“ حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ ”کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔“

”کہیں میں تمہاری پٹالی نہ کر دوں۔“ فریدی نے نہس کر کہا۔ ”خواہ مخواہ بھیجا چاٹے

جار ہے ہو۔“

”صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔“

”فرمائیے!“ فریدی رکتے ہوئے بس کربولا۔

”تو واقعی کیا آپ سروج.....!“

”بکواس بند!“ فریدی جھلا کر بولا۔

سروج ڈرائیکٹ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ حمید کھیانی اُنسی ہٹنے لگا۔

”کیا بات ہے۔“ سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اچھی سی نظر ڈالی اور وہ بھی چلی گئی۔ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھاتا رہا۔ اچاک اس کے ہوتوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھینچ لگی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جیخ مار کر حرام سے زمین پر گر گیا۔

جیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

”ارے ارے کیا ہوا۔“ فریدی حمید کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔

”حمد حمید.....!“ وہ اسے چھنجوڑ کر پکارنے لگا۔

”ابھی تو اچھے بھلے تھے۔“ سروج نے کہا۔

”نہ جانے کیا ہو گیا۔“ فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ واقعی سروج.....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے چھنجلا کر اسکامنہ دبادیا۔ ”چپ رہو۔“ فریدی نے اسکامنہ دبائے ہوئے چینا۔

”ارے ارے.....!“ سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ ”یا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر طول کر گیا ہے۔“

”صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ سروج نے کہا۔

”اور میری بات!“ حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

”ارے!“ سروج گھبرا کر چھپتے ہوئے گئی۔

"حمد اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہو گا۔" فریدی نے ناخنگوار بھجے میں کہا۔

"آپ بہر حال میرے آفیسر ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے۔" سروج نے کہا۔

"کچھ سرکاری معاملات ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

"آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فریدی نے سروج سے کہا حمید باہر کھڑا رہا اور وہ دونوں چلے گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟" سروج نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں یونہی مجھے علک کر رہا ہے۔"

"ای لئے کہا جاتا ہے کہ ماخوں کو زیادہ سرنہ چڑھانا چاہئے۔" سروج نے کہا۔

"مشکل تو ہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ بائیقہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو..... لو یہ خط دلبیر سننے مجھے بھجوایا ہے۔"

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

"تو پھر آپ کیا سکتے ہیں۔" سروج خط پڑھ کر بولی۔

"اس کے متعلق بھلامیں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں نے توفیض کر لیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔"

"اور میں آپ کے فیضے کی قدر کرتا ہوں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلا کر میز پر رکھا ہوا روپ اٹھالیا اور حمید کہم جانے کی ایکنٹک کرتا ہوا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تحموزی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید میں کس کے

مغلی بھیں چھڑ گئیں اور سروج اکتا کر باہر چلی گئی۔

”یہ کیا حماقت تھی۔“ فریدی سروج کے پلے جانے کے بعد بولا۔

”کسی حماقت!“

”دیکھو سروج میری مهمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہاں سے دکھ پنچے۔“

”تو یہ کہنے کا آپ غلط فہمی میں ہے۔ اے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کر رہا ہوں۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”محبت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔“

”پھر وہی بکواس!“ فریدی نے جھنجلا کر کہا۔ ”میں تمہیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ اب تم

اس کے مغلی بھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو۔“

”جی نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔“

”دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلا نہیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے والد

صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی محصول انتظام کر دیں۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تھیٹے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔“

”اچھا بھی اب ختم کرو یہ قصہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی قاعدے کی بات کرو۔“

”میرے خیال سے سوں میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔“

”تم زندگی بھر سخیدہ نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے رہاسامنہ بناتے ہوئے کہا۔

”کچھ بتائیے گا آپ کا عشق کن منزلوں پر ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”کسی پریشان حال عورت کو سہارا دنابھی تم ہو جاتا ہے۔ ہات تیری قست کی لہی کی تیسی۔“

”آپ خواہ تجوہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“ حمید نے

اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”اچھا میرے جاں ثاراب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“ فریدی

نے اکتا کر کہا۔

”تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہو گا۔“ حمید اپنے چہرے پر اداہی پیدا کرتے ہوئے بولا۔

اس کی محکمہ خنز صورت دیکھ کر فریدی کو بُٹی آگئی۔

اتئے میں ٹیلی فون کی سمجھنی بھی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ ”بیلو!“

”اوہ فریدی صاحب! میں سدھیر بول رہا ہوں۔ ڈھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ ہو گیا ہے۔“

”کیا کہا حادثہ!“

”جی ہاں..... قتل..... ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ لور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جائیے۔“

”لو بھی..... چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔“ فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

”کہاں؟“

”وہیں..... ڈھرم پور کے جنگل میں..... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ارے لو..... با توں میں اندر ہمراہ ہو گیا۔ اپنی تارچ ضرور لے لیتا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گز بڑھ کر ہیں۔“

”اب تو جتاب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی بھی مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ طازمت کیا ہے، آفت ہے لا حول ولا قوۃ!“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔

فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ ڈھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انپکڑ فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

”بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

”پریشانی آپ کونہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے اُنکی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر دی ہے۔ اُنے قتل کرنا ہے تو ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔“ حمید نے بیز اڑی سے کہا۔

”جی نہیں!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ بھی صحیح نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کر کے لاش

آپ کے گھر بھجوادیا کرے۔“

”حمدہ ہنسنے لگا۔“

”کیا زندگی ہے ہماری بھی..... نہ دن چین نہ رات آرام..... اس سے بہتر تو کلر کی تھی۔

صحیح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آرہے ہیں۔ اس کے بعد رات اپنی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا بوزہی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔“

”کاش میں بوزہی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رسانی نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی روایا ورکی ہال پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رسانی ہوا انگریزی جاسوسی نادلوں کی طرز کی کہ جاؤں نے کسی قتل کی خبر سننے ہی ایک آنکھ بند کی، کامیابوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک بار منہ بسورا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام معاذ ولدیت اور پہ ہتا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھوتوں کی طرح.....!“ حیدر کر کچھ سوچنے لگا۔

”کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔“ فریدی نے اکتا کر کہا۔

”اُرے باپ رئے باپ۔ دیکھئے کتنا اندر ہمرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول گئے ہیں۔ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جنم میں کئی ملازمت..... میرے پیچھوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ خواہ تجوہ جیچ کرتی تھی لگاتا پھر تو اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔“

”تم بھی عجیب آدمی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھوتوں کا

خیال نہیں لٹلا۔ ارے احتش آدمی۔ کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان یوتکوں میں بھری ہوئی گیس کا اڑ تھا۔“

”اگر یہ حق ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا۔ اس کے منڈ میں دبے ہوئے پاپ کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔“

”اس کا مقصد بعض بھی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجائے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسراے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس محکمہ خیر بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ مجرموں کا مقصد بھی بھی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور محکمہ ہار کر بیٹھ جائیں۔“

”صاحب آپ کی یہ مغلظ میرے حلق سے نہیں الا تھی۔“

”اچھا اب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھوڑا آپ کے حلق سے اتر جائے گا۔“

”بے بھی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ نہ آپ سے حق کہتا ہوں کہ اس وقت مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

”اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر ٹھل رہا ہیں۔“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”دل بیٹھا جا رہا ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح طول کر گئی ہے۔ برخند دار اس حتم کے محاورے کسی مرد کو تذیب نہیں دیتے۔“

”آپ برخوردار..... اس حتم کے محاورے.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موڑ کی آواز جنگل کے ننانے میں گونج رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیئت لاست کی روشنی میں سڑک پر ایک آدمی گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ ہوا قطی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلاکیا اور پلکے پلکے کش لینے لگا۔ دھنٹا فریدی چوک کر کہنے لگا۔

”کیوں حمید.....! ٹلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دری میں گمر سے روانہ ہو گئے ہوں گے۔“

”بمشکل تمام دس مخت کے بعد۔“

”تعجب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کس رفتار سے روانہ ہوئے ہوں گے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔“

”تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی کی وجہ سے کوتولی میں میرا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے یہیں آنے کے لئے کہا اور اگر واقعی اتنی یعنی جلدی تھی تو اس سے رفتاری کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”تو کیا!“ حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔“

”بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہئے ہیں۔ ڈاکٹر سعیش بھی اسی مقدمہ سے میرے پیچھے لگا تھا۔“

”لیکن اگر وہ آپ کو قتل یعنی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کر دیا۔ آخر چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیس میں دیکھ کر شہبے میں پڑ گیا تھا۔ لہذا ایک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دری بعد اس نے روپورنکاں لیا تھا۔“
”اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔“

”بالکل نہیں..... البتہ اندر میری رات میں سیاہ عینک ضرور شہبے میں ڈال رہی تھی۔“
فریدی نے کہا۔

”اُرے یہ کیا!“ حمید چونک کر بولا۔

”کیا بات ہے۔“

”اُہر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔“ حمید نے اندر میرے میں گھوڑتے ہوئے کہا۔
”فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔“

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”کیوں کیا مر نے کا ارادہ یہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر کوئی تاوار درخت اچاک کار کے

سامنے آگئے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟“

”اُرے باپ رے باپ۔“ حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”ذرا ہوش و حواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ریوالور لائے یا نہیں۔“

”اُر..... ریوالور.....!“ حمید چکلانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”آپ نہ..... نہ..... ہنتے ہیں۔“

”تم بھی نہ سوں!“

”مجھے کھانی آرہی ہے۔“ حمید نے زبردستی کھانتے ہوئے کہا۔

”اُرے!“ فریدی چونک کر بولا۔

ہیئت لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اونٹھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیکر کر دی۔ کار رک گئی۔ فریدی نے کار پیچے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

”کیوں یہ کیا!“ حمید جلدی سے بولا۔

”خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

ڈھٹا کار کی کھڑکی سے گزرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کھینچ سے لگ کر رک گئی۔ سبی واقع حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گردبار آواز سنائی دی۔

”نیچے اتراؤ!“

دو عدد رانکٹوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے الگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور دونوں نیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ فتابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ چار کے پاس رانکٹیں تھیں اور پانچواں ریوالور لئے ہوئے تھا۔

”لے چلو!“ ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو آدمیوں نے کپڑا لیا اور وہ سب جھاڑیوں میں مجھے ٹلے گئے۔ حمید اور

فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی وہ آگے آگے رات دکھانا ہوا چل رہا تھا۔ فھٹا فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے کپڑا رکھا تھا انہوں نے اسے اٹھانے کے لئے ایزدی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ نہ سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی سکرا رہا تھا۔

”کیوں مکار! کیا اب کوئی نئی حرامہ دگی سمجھی۔“ وہ گرج کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکف نہیں۔ لہذا تمہد یہ بشرط ہے۔“

فریدی منہ بنا کر بولا۔

”اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔“ حمید نے سمجھی گی

سے کہا۔

”چپ رہو چوہ ہے کے بچے۔“ ریوالور والا تاجر چھٹے ہوئے بوللا۔

”آپ ہر بڑے بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن

اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

”انھوں!“ ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

”رک جاؤ بھائی ذرا ستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سلاکا لوں۔“

فریدی نے پر اطمینان لجھے میں کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو سیلیں پر ختم کر دینا ہو گا۔“ ریوالور والے نے کہا۔

”نیک کام میں درینہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا برائی ہے،“ فریدی

نے کہا۔

”انھوں.....!“ ریوالور والا پھر چھینا۔

”نہیں انھوں گا۔“ فریدی بھی اسی اندراز میں چھینا۔

”اچھا شہرو..... بتانا ہوں تمہیں.....!“ اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”وزر اردو میں بتانا..... انہیں ہندی نہیں آتی۔“ حمید نے چلا کر کہا۔

”چپ رہو!“ وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔

فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ کئے تھے۔ روyalor والے نے فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جبکش بھی نہ ہوئی۔

”تم یوں نہ مانو گے۔“ روyalor والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھال نہ سکے۔ فریدی ان کی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آگرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑا رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت زمین پر آ رہے۔ روyalor والا چیختنے لگا۔

”خبردار..... خبردار..... گولی مار دوں گا۔“

اب بالکل اندر ہرا تھا۔ غالباً اس کش کش کے دوران میں روyalor والے کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی تھی۔ روyalor والے نے ہوا بی قارہ کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اندر میں میں اسی کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ میں منٹ تک اندر میں جدو ججد ہوتی رہی۔ روyalor والے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر بیجوں کے مل سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کار و چیس کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھے گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں کے اندر شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے کار گھما کی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فارہ ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور تک سنائی دیتی رہیں۔

”کیوں میاں حمید..... ہو گئی تا اچھی خامی سرمت!“ فریدی نے کہا۔ ”وہ تو کہو اس مردود

کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔“

”بس اب مت بولئے..... چپ چلے چلئے۔“ حمید نے کاپنچے ہوئے کہا۔

”اڑے واہ میزے شیر..... بس اتنے ہی میں ہاپنے لگا۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”آپ تھریے جاتا بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کر سکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”دیکھنے میں نے پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلے۔“

”اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھرا فسوس رہتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں؟“

”اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔“

”وہ کیسے!“

”اس کا جواب یہ نارج دے گی۔“

”نارج!“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”وہ کب سے بولنے لگی۔“

”ای وقت سے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”اس وقت یہ نارج بہت قیمتی ہے۔“

”زرادیکھوں تو۔“

”ہوں ہوں، چھوٹا مت اسے۔“ فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بڑی مخفتوں سے مبتیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔“

”آخر کیوں۔“

”اس پر مجرم کی الگیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چہ بہ اسی وقت انگر پر نہ

ڈیپارٹمنٹ میں اتنا راجائے گا۔“

حمد حیرت سے فریدی کا مند دیکھ رہا تھا۔

گلاس کی چوری

دوسرے دن صبح فریدی حمید اور سروچ ڈرائیکٹ روم میں ناشت کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعہ کی اطلاع کی کونہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کو درہے تھے۔ وہ اپنی

کارگزاریاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کوئی باراں نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دری کے بعد حید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چک رہا تھا۔ بات بات پر لیفھے ہو رہے تھے۔

”واقعی حید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔“ سروج نے کہا۔

”مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کر سکوں۔“ حید نے جواب دیا۔

”لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کی ہمت کا کیا کہنا..... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تابا، ٹھیک، گلٹ غرض کہ ہر قسم کی دھات مانتے ہیں۔“

سروج ہٹنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اتھے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفاف لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔“ نوکر نے لفاف فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی خط لکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سروج کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ خاکر دبیر سعکھ کا خط ہے۔“

”فریدی صاحب حليم!“

میں شام کو آپ کا انتقال کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج بہاں آنے پر رضا مند نہ ہوتی ہو گی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ میں سروج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہتا چاہئے تھا۔ مجھے سخت نہامت ہے۔ اگر سروج بوزھے خاکر کے منہ پر طما نچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کر سکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ خدا را سروج کو لے کر جلد آئیے ورنہ میرے غمیر کی طالمت میرا کام عی تمام کر دے فقط..... نادم دبیر سعکھ۔“

سروج کی آنکھوں میں آنسو جملک آئے۔ خاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا تھا۔
”میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب خاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ حق جو دہ
مجھے بیٹھی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔“ سروج نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چلنے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج خاکر صاحب
سے ملنے کا ارادہ کر رہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے مل کر مجھے ایک طرح
کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔“ فریدی نے سگار لٹا کر کش لیتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال تو یہ ہے!“ حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظر دوں سے گھبرا کر جملہ پورا نہ
کر سکا۔

”ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔“ سروج نے حمید سے پوچھا۔

”میں..... یعنی کرمی.....“ حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے
کہ آپ ضرور جائیے۔“

تحوڑی دری کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جا رہے تھے۔
چیزیں ہی کا سروج کے مکان کے پھاٹک پر آ کر رکی اس کا گرے ہاؤٹ کیا دھرم پور میں ہلاتا ہوا
دوڑ آیا۔

”جیک جیک!“ سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

آوازن کر خاکر بھی چھڑی نیکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو
بہر رہے تھے۔ موٹے موٹے قطرے۔ اس کا محبت بھرا دل امنڈ آیا تھا۔ سروج اس کے سینے
سے سر لٹا کر سکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جا رہا تھا۔ کچھ دریک دنوں
روتے رہے پھر آنسو پوچھڑا لے گئے اور ڈرائیک روم دلچسپ تذکروں سے گوئختے لگا۔

”بھی بہت تیزگری پڑ رہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پہنچا چاہئے۔“ خاکر نے کہا۔

”میں ابھی شربت بناؤ کر لاتی ہوں۔“ سروج نے انشتہ ہوئے کہا اور باہر چلی گئی۔ چند
لحنوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں ششی کے خالی گلاں لایا۔ فریدی نے گلاں ہاتھ میں اٹھا لیا۔

”کتنے خوبصورت گلاں ہیں۔“ فریدی گلاں کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”اب امکی چیزیں کہاں۔“

اس پر شاکر صاحب نے ان گلاسون کا خاندانی شجرہ سنا کر رکھ دیا۔ فریدی ان کی باتوں کو دیکھی سے سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسون کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرنا چاہتا تھا۔

”بس جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی کجھ۔“ فریدی نے گلاسون کو تحریقی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شاکر صاحب گلاسون کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جا رہے تھے۔ سروج جک میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاں بھر دیئے۔

شربت پینے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ شاکر صاحب نے دھرم پور کے جگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دریک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ سروج اور شاکر اگلے ساتھ پھاٹک تک آئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

”بھی حمید مجھے وہ گلاں بے حد پسند آئے ہیں۔“ فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار روکتے ہوئے کہا۔

”تو گاڑی کیوں روک دی۔“ حمید نے حرمت سے کہا۔

”میں انہیں سے ایک چانا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔

”کیا مطلب!“ حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے امبل پڑیں۔

”میں ابھی آیا!“ فریدی نے کہا۔

حمد کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حرمت تھی کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔

تحوڑی دری بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاں تھا۔

”کوئی خاص زحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاں وہیں چھوڑ گئے تھے۔“ فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

گود میں سائب

”دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کو تواہی گئے۔ کوتواہی انچارج اسپکٹر سدھیر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

”آئیے اسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔“ سدھیر نے فریدی سے مصافی کرتے ہوئے کہا۔ ”کہنے کوئی خاص بات۔“

”خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کا نشیل لے کر میرے ہمراہ چلتے۔“ فریدی نے کہا۔

”خبریت!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔

”جلدی کچھ! آپ کا شگار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشتا دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔“ حمید جلدی سے بول اٹھا۔

”تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتا نہیں کیا۔“ سدھیر نے کہا۔

”کہنے کچھ منگاؤ۔“

”نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیار کر لجھے۔“

”جلال پور!“

”جلال پور!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔ ”تو آپ نے قاتکوں کا پونڈ لگایا۔“

”قریب قریب.....!“ فریدی نے کہا اور سگار سگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔ تمہوزی دیر کے بعد آٹھ سوکھ کا نشیل آگئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کا نشیل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف

تیری سے بھاگی جاری تھی۔

”وزرا مجھے کچھ پہلے سے ہادیجھے ناکر میں اسی کے مطابق انظام کر سکوں۔“ سدھر نے کہا۔

”میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”پھر بھی!“ سدھر نے کہا۔

”بس اتنا سمجھ لجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ہھڑیاں ڈال دینی ہوں گی۔“

”یہ تو ہوئی جائے گا۔ یہ بتائیے کہ آخر قاتل ہے کون؟“ سدھر نے بے چینی سے کہا۔

”مگر لا یہ نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”وزرا ہوشیاری سے رہتا۔“ سدھر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

”ہاں بھی سبھی وقت ہوشیاری کا ہے۔“ حمید نے نہس کر کہا۔ ”اور وزرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔“

”حمد صاحب کی وقت تو ہم غربیوں کی خطا میں معاف کر دیا کجھے۔“ سدھر نے کہا۔

”اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔“ حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر بچک رہی تھی۔

”اے!“ حمید نے اچھل کر کہا۔ ”انپکڑ صاحب آپ کی جیب!“

فریدی نے حمید کا شانہ دبادیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انپکڑ سدھر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہست اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

”کیا بات ہے۔“ سدھر نے حمید سے پوچھا۔

”کچھ نہیں یونہی وزرا!“

”دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلیر ٹکھے کی کوئی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروج اور دلیر ٹکھے برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کاشیل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلیر

نگہ انھ کو کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

”کہنے فریدی صاحب..... کوئی تازہ مصیت.....“ ”خاکر دلیر نگہ نے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں..... ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔“

”خوب خوب!“ ”خاکر دلیر نگہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔“ ”میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی انسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف رکھئے اورے کوئی ہے ذرا کریاں لانا۔“

”اگر بہت شدید ہے“ ”دلیر نگہ نے کہا۔“ ”میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت لیجئے۔“

”جی نہیں شکر یہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”قطعی خواہش نہیں۔“

”کہنے کیا بہلا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے تھے۔“ ”دلیر

نگہ نے پوچھا۔

”جی ہاں..... کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔“

”کیا میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔“ ”دلیر نگہ نے اشتیاق بھرے لمحے میں کہا۔

”کیوں نہیں!“ ”فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لمحے میں بولا۔“ ”ایک تو سہی اطلاع آپ کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ رندھیر بہلا اور ڈاکٹر سنتیش کا قتل ایک ہی آدمی کی ایجاد پر ہوا ہے۔“

”اچھا!“ ”دلیر نگہ نے حیرت سے کہا۔“ ”واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی ساتھ حیرت انگیز بھی ہے۔“

”خاکر صاحب۔“ ”فریدی بولا۔“ ”کیا آپ مجھے بہلا کا صحیح حلیر بتا سکتے ہیں۔ مجھے اس کی لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکتا تھا۔“

”بہت نوب!“ ”خاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔“ ”اگر کوئی اندھا کسی کا حلیر بتا سکتا ہو تو ضرور پوچھئے۔“

”تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔“ ”فریدی نے پوچھا۔

خاکر دلیر نگہ کے ماتحتے پر ٹکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گزرا تھا۔

”فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔“ دلبر سنگھ نے لمحے میں کہا۔

”یقیناً!“ فریدی نے اعتراف میں سر ہلاایا۔

”تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔“ دلبر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔“ فریدی نے ندامت آمیز لمحے میں کہا

”لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”خیر..... خیر!“ دلبر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔“

پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

”فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کب تک امید ہے۔“ سروج نے کہا۔

”بہت جلد!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو..... تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شبر رفع ہو۔“ سروج نے

مفہوم لمحے میں کہا۔

”آپ لوگوں پر شبہ..... ارے لا حول ولا قوۃ..... آپ بھی کیسی باتیں کر دی ہیں۔ تو بہ تو بہ!“ فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لمحے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلبر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

”ارے سانپ.....!“ تھا کہ دلبر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں ریک رہا تھا۔ سب لوگ بدحواس ہو گئے۔

”سانپ دکھائی دیتے ہیں خاکر صاحب۔“ فریدی نے روپا اور نکال کر خاکر دلبر سنگھ کی طرف تاتے ہوئے کہا۔ ”خبردار اپنی جگہ سے ٹھٹے کی کوشش نہ کرنا۔“ خاکر دلبر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

”تم نے ائمہ کی کوشش کی اور میں نے گولی چالائی۔“ فریدی نے تیر لجھ میں کہا۔
”سدیم صاحب ہھڑی۔“

ٹھاکر دلیر علی کے ہاتھوں میں ہھڑی لگادی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیادہ بے نور ہو گئیں۔

”یہ آپ نے کیا کیا فریدی بھیا۔“ سروج بے اختیار جیخ پڑی۔

”ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپ پریش..... اب انہیں اندر میں رہنے کی ضرورت ہے۔“ حمید نے پس کر کہا۔ ”واللہ ان پکڑ صاحب آپ ماہر اراضی چشم بھی ہیں۔“

”ارے ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔“ سروج بے بُکی سے بولی۔

”مگر اؤ نہیں..... سروج بہن شکر کرو کر تم قع گئیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بلا کا ساتھ دیتی نظر آئیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جانتا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملتا۔ میں گھر پر عی ہونگا۔“
ٹھاکر دلیر علی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”اٹھے سر کار!“ سدیم نے اسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلیر علی جلا کر کھڑا ہو گیا اور ہھڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے سدیم کے سر پر مارے کہ سدیم تیورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلیر علی پر ٹوٹ پڑے۔
سروج چینختے گئی۔

ٹھاکر دلیر علی لاری میں بے سده پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جکڑے سے پھٹ گئے تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔



ای دن شام کو پولیس نے دلیر علی کے مکان پر چھاپے مارا۔ کافی ٹلاش اور جستجو کے بعد آخر کار فریدی اس تہہ خانے کا پڑا گانے میں کامیاب ہوئی گیا تھا۔ جس میں دلیر علی نے کوئیں

ہنانے کا کارخانہ قائم کر رکھا تھا وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوتی۔

اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے فراغت پانے کے بعد وہ اور حمید ڈرائیور روم میں آبیٹھے۔ سروچ پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

”تم بہت زیادہ پریشان نظر آرہی ہو۔“ فریدی نے سروچ سے کہا۔ ”حالانکہ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تم اس جال میں چلنے سے بچ گئیں اگر دلیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شہبازی بھی ہو جاتا کہ تم اس کے راز سے واقف ہو تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو بولا کا ہوا۔“

”لیکن آپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہوا۔“ سروچ بولی۔

”جب مجرم میری گرفت میں آ جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہوں آسانی سے سب اگلوالیتا ہوں۔ صرف دلیر سنگھ ہی اس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف تم کے بدمعاش ہیں۔“

”آخر بولا ان لوگوں کے جال میں کیسے پھنس گئی۔“ سروچ نے کہا۔

”ای وقت سنوگی۔“ فریدی نے سگار سلاگاتے ہوئے کہا۔ ”خیر سنوا یک دن جب تم گھر پر نہیں تھیں بولا نے دلیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حرمت ہوئی ہو گئی اور حرمت کی بات بھی ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں سبھی آیا کہ بولا کو لے جا کر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جا کر دلیر سنگھ نے زبردستی اس سے ایک خط تمہارے نام لکھا یا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جا رہی ہے اور معلوم نہیں کہ تک اس کی واپسی ہو۔ دلیر بولا کی تحریر لے کر اسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ فوری نام اس نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی دوسری کارروائی کر سکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بولا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے ناچی بات۔ دلیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر سعیش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر سعیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہذا وہیں تہہ خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بولا اور سعیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی

لیکن وہ اُسی نہیں کہ تمہیں دکھلا سکوں۔ بہر حال بولا سے کہا گیا کہ اس نے دلیر کاراز کسی کو ظاہر کیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے مغتیر کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچھ کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بولا کے مغتیر کا ایک خط لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ لوگ شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلیر سنگھ نے ایک ایکم بنائی۔ وہ یہ تمی کہ اگر رندھیر اور بولا اس دوران غائب کر دیئے جائیں تو ان کے والدین بھی تمہیں گے کہ شاید رندھیر بولا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس ایکم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر سعیش بولا کا ہمدرد بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلا دی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو کہ وہ تمہیں یہاں سے آ کر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر سعیش نے بولا کو اچھی طرح اطمینان دلایا کہ وہ اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آرہا ہے۔

چہاں تک دونوں کو قتل کر دیئے کی ایکم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ لیکن اور زیادہ پرده پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجھادیئے کی ایکم بننا کرخت دھوکا کھایا۔ حالانکہ ان کی ایکم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بولا اور رندھیر کے اس طرح غائب ہو جانے سے بولا کے والدین ان دونوں کا حیله جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم ہو گا کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے اس کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر صین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری مدد نہ کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ڈاکٹر سعیش صاحب کا نپور جا رہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بولا کا خط ڈھونڈ کر اسے جلا سکیں۔ راست میں مجھ سے مذبھیز ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو اس کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلیر سنگھ کو دی۔ دلیر سنگھ نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلوں لے۔ پھر دلیر سنگھ نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک نہیں جانتیں کہ مجھے یہ کیسے معلوم

ہوا کہ دلیر سنگھ عی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی الگیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے جنمیں میں نے کاغذ پر اتر وا لیا۔ مجھے دلیر سنگھ پر شروع عی سے شبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندرھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا۔ لیکن..... ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑ نے آیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلاایا تھا۔ میں نے وہ گلاں چرا لیا جس میں دلیر سنگھ نے شربت پیا تھا۔ اس پر دلیر سنگھ کی الگیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاں کے نشانات اور اس ٹارچ کے نشانات میں کوئی فرق نہ لکلا اور پھر آپ کے خاکر صاحب آخر کار درج لئے گئے۔

”اچھا یہ بتائیے کہ میرا کیا حشر ہو گا۔“ سرو پریشانی کے لمحے میں بوئی۔

”کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔“

”اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تھا مالک ہو۔ دلیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔“

”میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے لئے اتنا نہ کر سکتا۔“

”اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں۔“ فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔

”میرا بھیا۔“ سرو نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو منڈ آئے۔

حمد نے ایک بھوٹا ساقہ پر لگایا۔ جھینپا جھینپا ساقہ پر.....

ختم شد